صدر اسلام میں مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات پر ایک نظر

ڈاکٹر محمد افضل*

dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: ہجرت مدینہ ،میثاق مدینہ ، یہودی قبائل ، یہودیوں کی پیمان شکنی

خلاصہ

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے نئی ریاست کے استحکام کے لیے مختلف قبائل کے ساتھ تعلقات کو نئی جہت دی۔ اور میثاق مدینہ کے بعد مدینہ میں بااثر یہودی قبائل کے ساتھ بھی الگ معاہدہ کیا، چونکہ ان قبائل کا اثر مختلف ابعاد میں نمایاں تھا۔ اگر ابتدا ہی میں آپؐ کے ان یہودی قبائل کے ساتھ تعلقات خراب ہو جاتے تو مسلمان مشکل میں پڑ جاتے،اس کے باوجود جلد ہی مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس دوران کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے جن کی وجہ سے کچھ محققین کے ذہنوں میں شبہات پیدا ہو رہے ہیں، جن کا تسلی بخش جواب دینا ضروری ہے۔ یہ بھی مدّ نظر رہے کہ موجودہ دور میں اس موضوع کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات جیسا حساس موضوع اگر اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کے لئے جب تک اسلام کے دو بنیادی مصادر قرآن اور سیرت طیبہ کو نہیں دیکھا جائے گا اس وقت تک مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی صحیح تصویر سامنے نہیں آئے گی۔

مقدمہ

مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت اور مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نئی قائم شدہ ریاست کے استحکام کے لیے مختلف قبائل اور ادیان کے ساتھ تعلقات کو پیش آمدہ صورتحال کے مطابق نئی جہت دی۔ اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے میثاق مدینہ کے بعد مدینہ میں فعال اور بااثر تین یہودی قبائل (بنی قینقاع، بنی قریظہ، بنی نضیر) کے ساتھ بھی الگ معاہدہ کیا چونکہ دوسرے چھوٹے یہودی قبائل کے مقابلے میں مدینہ میں ان تین قبائل کا اثر مختلف ابعاد میں نمایاں تھا اور ان کی اہمیت اور ضرورت سے چشم پوشی کرنا ناممکن تھا۔

اسی بنا پر ان کے ساتھ بہتر تعلقات کے قیام کو اہمیت دی۔ اگر ابتدا ہی میں رسول اللہ ﷺ کے ان یہودی قبائل کے ساتھ تعلقات خراب ہو جاتے تو مسلمانوں کو انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا یہی اہم وجہ تھی کہ صدر اسلام کے مسلمانوں نے ان کے ساتھ ممکنہ حد تک تعلقات بہتر بنانے کی سعی کی مگر بہت کم عرصے میں ان کے یہودی قبائل کے ساتھ تعلقات کشیدگی کی انتہا تک پہنچ گئے اور اس دوران کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے جن کی وجہ سے جدید دور کے محققین کے ذہنوں میں شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں جن کا تسلی بخش جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور اس موضوع کے حوالے سے اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ موجودہ دور میں اس موضوع کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے؟

---

*۔علوم اسلامی جامعہ کراچی

اس سوال کا اجمالی جواب کچھ اس طرح سامنے آتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات جیسے حساس موضوع کو اگر اسلام کے نقطہ نگاہ سے زیر بحث لایا جائے تو اس موضوع کا دارومدار قرآن اور سیرت طیبہ پر ہوگا چونکہ یہ دونوں اسلام کے بنیادی مصادر میں سے شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک رسول اللہ ﷺ کے یہودیوں کے ساتھ برتاؤ کو محققانہ انداز میں زیر بحث نہیں لایا جائے گا اس وقت تک آج کے دور میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی صحیح تصویر ہمارے سامنے نہیں آئے گی۔ زیر نظر موضوع کو اسی ضرورت کے تحت مورد بحث قرار دیا گیا ہے اور موضوع کی مزید وضاحت کے لئے ماضی کے چند نمایاں گوشے جو مسلمانوں اور یہودیوں کے معاشرتی حالات کا احاطہ کرتے ہیں، بھی بیان کئے گئے ہیں۔

یہودیوں کی مدینہ آمد

سرزمین حجاز کے یہودیوں کی تاریخ اور ان کی ہجرت کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے چونکہ عرب کے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ انہوں نے خود اپنی کوئی ایسی تحریر کسی کتاب یا کتبے کی شکل میں نہیں چھوڑی ہے، جس سے ان کے ماضی پر روشنی پڑسکے اور عرب کے باہر کے یہودی مورخین اور مصنفین نے ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جزیرۃ العرب میں آکر وہ اپنے بقیہ ملت سے بچھڑ گئے تھے اور دنیا کے یہودی سرے سے ان کو اپنوں میں شمار ہی نہیں کرتے تھے کیونکہ انہوں نے عبرانی تہذیب اور زبان حتیٰ کہ نام تک چھوڑ کر عربیت اختیار کرلی تھی۔ (1)

حجاز کے یہودیوں کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری عہد میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے اس کی وجہ بعض مورخین نے کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ حجاز کے پہلے باشندوں میں سے عمالیق نام کا ایک قبیلہ تھا جو لوگوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لشکر یثرب کے علاقے سے عمالیق کو نکالنے کے لئے بھیجا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ اس قوم کے کسی شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ بنی اسرائیل کے اس لشکر نے یہاں آکر فرمان نبی کی تعمیل کی مگر عمالقہ کے بادشاہ کا ایک لڑکا بڑا خوبصورت جوان تھا اسے انہوں نے زندہ رہنے دیا اور اس کو ساتھ لیے ہوئے فلسطین واپس پہنچے۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا تھا ان کے جانشینوں نے اس بات پر سخت اعتراض کیا کہ ایک عمالیقی کو زندہ چھوڑ دینا شریعت موسوی کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہے اس بنا پر انہوں نے اس لشکر کو اپنی جماعت سے خارج کردیا اور اسے مجبوراً یثرب آکر بسنا پڑا۔ (2) یہ قصہ تاریخی منابع میں کافی شہرت رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود بعض مصنفین اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ (3) حجاز کی طرف یہودیوں کی ہجرت کی دوسری وجہ جو بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب رومیوں نے شام پر قبضہ کرکے یہودیوں کا قتل عام کیا اور انہیں سرزمین فلسطین سے نکال باہر کیا تو اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہوگئے تھے (4)

دوسری طرف کچھ مورخین یہودیوں کی ہجرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ۵۸۷ ق.م میں جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کرکے یہودیوں کو دنیا بھر میں تتّر بتّر کردیا تو اس زمانے میں یہودیوں کے متعدد قبائل وادی قریٰ، تیما، اور یثرب میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ (5) اس کے علاوہ ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے، جس کے بارے میں ایک روایت بھی ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ حضرت محمدؐ جس جگہ ہجرت کرکے رہیں گے وہ عیر اور احد کے پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ ہوگی، انہی دو پہاڑوں کی جستجو میں وہ نکل گئے یہاں تک کہ انہیں پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے اور وہی سکونت اختیار کرلی۔ (6)

اس روایت کا سورہ بقرہ کی ۸۹ آیت کے ساتھ جب موازنہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک قابل اعتبار دلیل کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن میں بہت ساری ایسی آیات موجود ہیں جہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں کو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں شناخت حاصل تھی۔ (7)

مسلمانوں کی یثرب کی طرف ہجرت سے پہلے یہودیوں کے جو قبائل اس شہر میں زندگی گزار رہے تھے، ان میں مشہور ترین یہودی قبایل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع بھی شامل تھے۔ یہ تینوں قبائل مدینہ میں موجود یہودیوں کے مشہور قبیلے تھے ان کی تاریخ میں شہرت حاصل کرنے کی ایک وجہ مسلمانوں کے ساتھ انکے خراب اور کشیدہ تعلقّات بھی ہیں۔ یہ تینوں قبائل قبا کے شمال مشرق کی جانب رہ رہے تھے۔ ان کی وجہ تسمیہ بعض اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بنی نظیر اور بنی قریظہ کوہ نضیر اور کوہ قریظہ کے اطراف میں رہنے کی وجہ سے انہیں نظیر اور قریظہ کہا جانے لگا۔ (8) اس کے علاوہ کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ

جس وقت بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی بہدل نے سرزمین حجاز میں قدم رکھا تو شروع میں غابہ (شمال یثرب) رہنے لگے جب وہاں کسی بیماری کی وبا پھوٹنے لگی تو یثرب چلے گئے بنی نضیر "بطحان" میں اور بنی قریظہ "مہروز میں سکونت اختیار کرنے لگے۔" (9)

مدینہ میں یہودیوں کی مجموعی حالت:

مدینہ میں اور پورے جزیرۃالعرب میں رہنے والے یہودیوں نے زبان، لباس، تہذیب، تمدن کے لحاظ سے پوری عربیت کا رنگ اختیار کر لیا تھا حتی کہ ان کی غالب اکثریت کے نام تک عربی ہوگئے تھے بارہ یہودی قبایل جو حجاز میں آباد ہوئے تھے ان میں سے بنی زعوراکے سوا کسی قبیلے کا نام عبرانی نہ تھا ان کے چند گنے چنے علماکے سوا کوئی عبرانی جانتا تک نہ تھا، زمانہ جاہلیت کے یہودی شاعروں کا جو کلام ہمیں ملتا ہے اس کی زبان اور خیالات اور مضامین میں شعرائے عرب سے الگ کوئی امتیازی اسلوب جس سے ان کے درمیان فرق معلوم ہو، نہیں ملتا ہے اس کے علاوہ ان کے اور عربوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم ہو چکے تھے۔

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان میں اور عام عربوں میں دین کے سوا کوئی فرق باقی نہ رہا تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود وہ عربوں میں جذب بالکل نہ ہوئے تھے اور انہوں نے شدت کے ساتھ اپنی یہودی عصبیت برقرار رکھی تھی۔ (10) یثرب میں یہودی بارہ سو سال تک بلاشرکت غیر حاکم بنے رہے اس پورے علاقے میں انہیں کا سکہ چلتا تھا حالانکہ یثرب میں عرب قبایل بھی ان کے ساتھ رہ رہے تھے مگر ان کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ یہودیوں کے مقابلے پر اتر آتے۔ جب سدّ مارب کا تباہ کن سیلاب آیا تو اس علاقے کے رہنے والے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے ان میں سے غسانسہ شام کی طرف اور اوس وخزرج یثرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔

سیاسی اعتبار سے اوس، خزرج کا مدینہ آنا یہودیوں کیلیے خطرے کی گھنٹی تھی مگر یہودیوں نے خود کو اتنا مستحکم کر لیا تھا کہ اوس وخزرج کوششیں کرنے کے باوجود یہودیوں کی طاقت کے سامنے بے بس رہے۔ (11) اقتصادی طور پر یہودیوں کی حالت دوسرے عرب قبایل کی نسبت زیادہ مضبوط تھی کیونکہ وہ فلسطین اور شام کے زیادہ متمدن علاقوں سے آئے ہوئے تھے، اس لیے وہ بہت سے ایسے فنون جانتے تھے جو اہل عرب میں رائج نہ تھے اور باہر کی دنیا سے ان کے کاروباری تعلقات بھی تھے۔

اس بنا پر یثرب اور بالائی حجاز میں غلے کی درآمد اور یہاں سے چھوہاروں کی برآمد ان کے ہاتھ میں آ گئی تھی، مرغبانی اور ماہی گیری پر بھی زیادہ تر ان ہی کا قبضہ تھا، پارچہ بافی کا کام بھی ان کے ہاں ہوتا تھا جگہ جگہ میخانے بھی انہوں نے قائم کر رکھے تھے، جہاں شام سے شراب لا کر فروخت کی جاتی تھی بنی قینقاع زیادہ تر سنار لوہار اور ظروف سازی کا پیشہ کرتے تھے۔ (12)

ہجرت مدینہ اور دونوں مذاہب کے تعلقات

مکہ میں مسلمانوں کیلیے رہنا جب مشکل ہوا تو مسلمانوں نے ۶۲۲ء کو مکہ سے ۲۴۰ میل دور شمال میں واقع یثرب کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ جس کے بعد مسلمانوں کو یثرب میں (جس کا نام بعد میں مدینہ الرسولؐ پڑ گیا) پہلا اسلامی معاشرے کے قیام کا موقع مل گیا۔ مسلمان اپنی تاریخ کی پہلی حکومت قائم کرنے کے بعد اس شہر کے حالات میں بہتری لانے کے لیے اور حکومت کے استحکام کے لیے یہودیوں کے تعاون کے طالب تھے، اس لیے سیاسی طور پر مسلمانوں کی اس نئی حکومت کیلیے یہ ضروری تھا کہ مدینہ کے بااثر یہودیوں کے ساتھ تعلقات میں بہتری پیدا ہو جائے۔ جبکہ یہودی بھی اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے اسی لیے نئی قائم حکومت کے سربراہ حضرت محمد ﷺ نے یہودیوں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور یہودیوں نے بھی مثبت جواب دیا۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اور یہودیوں نے ایک بہتر دور کا آغاز کرنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ظاہراً ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہوگئے اسی سلسلے میں بعد میں کچھ معاہدے بھی عمل میں آئے۔ مورخین نے مختلف مواقع پر ان کی طرف اشارے تو کیا ہے۔ مگر ان کے اصلی متن کو تحریر کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ ان معاہدوں میں سے صرف دو اہم معاہدوں کا متن ہمیں تاریخ کی بعض کتابوں میں تحریری طور پر

ملتا ہے ایک میثاق مدینہ دوسرا وہ معاہدہ جو حضرت محمد ﷺ کا یہودیوں کے تین معروف قبائل بنی نظیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع کے ساتھ عمل میں آیا تھا جن میں سے ایک عمومی معاہدے اور دوسرا خصوصی معاہدے کے نام سے معروف ہے۔

عمومی پیمان (میثاق مدینہ)

مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کے بعد حضرت محمد ﷺ کے اقدامات میں سے ایک مہاجرین اور انصار کے درمیان عہد و پیمان باندھنا تھا جس میں یہودیوں کو بھی مورد توجہ قرار دیا گیا ہے۔ متاخر مورخین نے اس معاہدے کو حضرت محمد ﷺ کی نئی قائم کردہ اسلامی ریاست کا ایک شاہکار کارنامہ قرار دیا ہے جبکہ قدیم مورخین نے اس معاہدے کو خاطر خواہ اہمیت کا حامل نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ بہت سارے قدیم مورخین نے اس پیمان اور معاہدے کے متن کو نقل کرنے کی زحمت تک بھی نہیں کی ہے۔ صرف ابن ہشام نے اس اس پیمان کے متن کو ابن اسحاق سے روایت کرکے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ اسی طرح ابن ہشام کے ہم عصر ابو عبید نے بھی اپنی کتاب "الاموال" میں اس معاہدے کا متن تحریر کیا ہے۔(13)

جبکہ معروف قدیم مورخین اور مصنیفن من جملہ ابن سعد، ابن خیاط بلاذری، یعقوبی، طبری نے اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی ہے۔ اس پیمان کا متن انصار و مہاجرین کے داستان اخوت سے متعلق ہے جس میں ان دونوں قبائل کے حلیف یہودیوں کو بھی اس میں جگہ دی گئی ہے۔ اس معاہدے کے مکمل متن کی بجائے یہاں سیرہ ابن ہشام سے یہودیوں سے متعلق چند بندوں کو ذکر کیا جارہا ہے:

1) بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

2) یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

3) جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

4) اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

5) کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہیں ٹھہرے گا۔

6) مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

7) جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

8) اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہوگا۔

9) اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہؐ فرمائیں گے۔

10) قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

11) جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے، اس سے لڑنے کے لئے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

12) یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے آڑ نہ بنے گا۔(14)

جیسا کہ اس معاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین، انصار اور ان یہودیوں کے درمیان عمل میں آیا تھا جو ان دو قبیلوں سے وابستہ تھے گویا یہ وہی یہودی تھے جن کے بارے میں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ اوس اور خزرج میں سے ایک گروہ نے یہودیوں کی ہمسائیگی کی بنا پر یہودیت اختیار کی تھی۔(15) اس گروہ کے اوس و خزرج سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں سے تعلقات زیادہ کشیدہ نہیں تھے۔(16) یہ معاہدہ "موادعہ یہود" کے نام سے معروف ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ متھوّدین (یہودیت اختیار کرنے والوں) کی اس پیمان نامہ میں شرکت تھی۔

اگر اس قرارداد کا بغور جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس کو موادعہ یہود کہنا ہی غلط ہے۔ چونکہ اس قرارداد کے دونوں اطراف مہاجرین اور انصار تھے کسی بھی تاریخ نگار اور محقق نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ معاہدہ بنیادی طور پر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان عمل میں آیا تھا۔ چند یہودی گروہوں کے نام لینے اور ان کے بارے میں جو تذکرہ ہوا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ خود اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے یہودیت اختیار کی تھی۔ اب بھی ان کی

وابستگی اوس وخزرج کے ساتھ اپنے ہم مذہب یہودیوں کی نسبت زیادہ تھی۔اس بناپر بعض محققین کا کہنا ہے کہ میثاق مدینہ دراصل چند قراردادوں کاایک مجموعہ ہے جس کو ابن اسحاق نے ایک پیمان کی شکل میں اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔(17)

بہر حال موادعہ یہود کے عنوان اور انصار کے یہودیوں کی اس پیمان نامہ میں شرکت سے بہت سے محققین اور مورخین یہ تصور کرنے لگے کہ اس میں یہود مدینہ کے تین معروف قبائل (قینقاع، نضیر، قریظہ) بھی شریک تھے۔اس قسم کے تصور کی جو بنیادی وجوہات سامنے آتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- محققین اور مورخین نے اس قرارداد (میثاق مدینہ) کو نقل کرتے وقت یہودیوں کے ان تین معروف قبائل کا نام بھی لیا ہے۔(18)
- تمام مورخین نے مسلمانوں اور یہودیوں کے ان تین معروف قبائل کی جنگ کے بارے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی مدینہ آمد کے بعد ان قبائل نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا چونکہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں موادعہ یہود کے علاوہ کسی دوسرے پیمان نامے کا متن تحریر نہیں ہوا ہے۔ اس بناپر یہ تصور کرنے لگے کہ ان تینوں قبائل نے جو معاہدہ کیا تھا وہ وہی معاہدہ تھا جو میثاق مدینہ یا موادعہ یہود کے نام سے معروف ہے۔ حالانکہ اس بات پر اگر غور کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ ان قبائل کا اس قرارداد سے کوئی تعلق ہے۔ ان تینوں قبائل نے مسلمانوں سے الگ اور مخصوص معاہدہ کیا تھا۔اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں قبائل یہودیوں کے معروف ترین قبائل میں شمار ہوتے تھے اگر میثاق مدینہ میں یہ قبائل شریک ہوتے تو ان کا نام ضرور لیا جاتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میثاق مدینہ میں یہودیوں کے آٹھ غیر معروف گروہوں کا نام تو لیا جاتا ہے جبکہ ان تینوں معروف اور بااثر یہودی قبائل کی طرف اشارہ بھی نہ ہو؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خود میثاق مدینہ کا متن اور مورخین نے جو کچھ ان تین یہودی قبائل کے بارے میں لکھا ہے ان کے درمیان کوئی ربط دیکھائی نہیں دیتا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ طے کیا تھا کہ یہ لوگ ہر صورت غیر جانب دار رہیں گے یہاں تک کہ مسلمانوں کے حق میں بھی وارد جنگ نہیں ہوں گے۔(19) جبکہ میثاق مدینہ کے متن میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہودی جنگی اخراجات میں سے کچھ اپنے ذمہ لیں گے۔مدینہ میں مسلمانوں نے جتنی جنگیں لڑی ہیں ان میں سے کسی جنگ کے بارے میں کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے کہ یہودیوں کے ان تین قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تھی۔

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ میثاق مدینہ میں یہودیوں کے یہ تین قبائل شریک نہیں تھے۔ بعض مصنفین کچھ احتمالات کی بنیاد پر ان تین یہودی قبائل کی میثاق مدینہ میں شریک ہونے کے بارے میں مُصِرّ ہیں اور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ: جب اوس خزرج سے وابستہ یہودی قبائل کو اس میثاق کا حصہ بنایا گیا ہے تو ممکن ہے کہ اوس خزرج کے حلیف ان قبائل کو بھی اس معاہدے کا حصہ بنایا گیا ہو۔(20) ایک معاصر محقق اس حوالے سے لکھتے ہیں: یہ واضح ہے کہ اس قرارداد میں یہودیوں سے مراد بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ یہودی ہیں جو انصارِ مدینہ کا حصہ تھے۔(21) ایک اور معاصر محقق کا بھی کہنا ہے کہ: میثاق مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل شریک نہیں تھے بعد میں ان کے اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان ایک قرارداد عمل میں لائی گئی تھی۔(22)

یہودیوں کے تین معروف قبائل اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ

اس معاہدے کا متن علامہ طبرسی نے اپنی کتاب اعلام الوریٰ میں علی ابن ابراہیم سے نقل کیا ہے۔ اس قرارداد کے متن پر بھی میثاق مدینہ کے متن کی طرح مورخین نے توجہ نہیں دی ہے۔ یہ معاہدہ براہ راست مسلمانوں اور یہودیوں کے معروف بااثر اور نمائندہ قبائل کے درمیان ہوا تھا۔ جن کا مدینہ پر مسلمانوں کی ہجرت تک اقتصادی، سماجی اور مذہبی اعتبار سے اچھا خاصا اثر تھا اور اس بات سے مسلمان بھی بخوبی واقف تھے اسی بناپر ان قبائل سے خصوصی معاہدہ کیا گیا تھا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ دونوں معاہدوں میں طرفین نے معاہدے کے لئے قدم مذہبی عنصر سے زیادہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اٹھایا تھا۔

مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ مدینہ میں قائم نئی حکومت کو استحکام حاصل ہونے کے ساتھ ان کے قدم مدینہ میں مضبوطی سے جمیں۔ ورنہ اگر مدینہ کے داخلی صورتحال خراب ہوتی تو قریش کی طرف سے لاحق خطرات عملی شکل اختیار کرسکتے تھے۔ جبکہ یہودی اس شہر کے قدیم باشندے ہونے کے ناطے اقتصادی

اور سیاسی اور مذہبی مفادات رکھتے تھے وہ یہ چاہ رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان کے یہ مفادات خطرے میں نہ پڑ جائیں۔ بہر حال اس قرارداد کو ایک اہم ترین دستاویز قرار دی جاسکتی ہے جو مدینہ کے تین یہودی قبائل سے متعلق ہے، جس کو شیخ طبرسی نے نقل کیا ہے۔ اس معاہدے کا متن کچھ اس طرح ہے:

"قال علی بن ابراهیم بن هاشم و جاء ته الیهود، قریظة والنضیر والقینقاع، ۔۔۔۔ و کان الذی ولی امر قریظة کعب بن اسد والذی تولی امر بنی قینقاع مخیریق۔" (23)

یعنی: علی ابن ابراہیم نقل کرتے ہیں کہ بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودی پیغمبر ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ لوگوں سے کیا بیان فرمارہے تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ توحید اور میری رسالت پر گواہی دینے کے بارے میں بیان کررہا تھا۔ میں وہ ہوں جس کا نام توریت میں آیا ہے۔ تمہارے علما نے خود کہا تھا کہ میں مکہ میں ظہور کروں گا اور حرّہ (مدینہ) کی طرف ہجرت کروں گا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ ہم نے سنا۔ آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ سے (اس شرط) پر صلح کریں کہ نہ آپ کے لئے مفید ثابت ہونگے اور نہ ہی نقصان دہ۔ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور آپ کے دوستوں کو اذیت نہیں دیں گے۔ آپ بھی ہمیں اور ہمارے دوستوں کو اذیت مت دو تا کہ ہم آپ اور آپ کی قوم کا آخری نتیجہ دیکھیں گے۔

پیغمبر ﷺ نے (ان کی پیش کش) کو قبول کیا اور ان کے ساتھ اس پیمان نامے پر دستخط کیا کہ مدینے کے یہودی پیغمبر ﷺ اور ان کے دوستوں کے خلاف زبان، ہاتھ، اسلحہ، سواری اور نہ ہی مخفی طور پر نہ ہی آشکارا، نہ رات کو اور نہ ہی دن کو کوئی بھی اقدام نہیں اٹھائیں گے۔ خداوند اس معاہدے پر گواہ رہے اگر یہودیوں نے ان شرائط کو نادیدہ لینے کی کوشش کی تو حضرت محمد ﷺ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ انہیں قتل کریں۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنائیں اور ان کے اموال کو غنیمت کے طور پر لے لیں۔ اس پیمان نامے پر بنی نضیر کی طرف سے حیی بن اخطب نے (جبکہ) بنی قریظہ کی طرف سے کعب ابن اسد نے اور بنی قینقاع کی طرف سے مخیّریق نے دستخط کئے۔

قرارداد کے متن سے ہی بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت میثاق مدینہ سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ اس قرارداد کا براہ راست تعلق مسلمانوں اور یہودیوں سے تھا۔ اس پیمان نامے کی سب سے مشکل بات یہ ہے کہ اس کے متن کو صرف علامہ طبرسی نے نقل کیا ہے۔ ان سے پہلے کسی تاریخی کتاب میں اس کا متن تحریری طور پر موجود نہیں ہے۔ اس مشکل کو تاریخ کے ابتدائی منابع میں موجود وہ شواہد حل کردیتے ہیں جو اس قرارداد کے متن کے متعلق ہیں۔ ان کتابوں میں اگرچہ متن تحریر نہیں ہے لیکن اسی متن کے دفعات اور مواد کی طرف واضح اشارے موجود ہیں:

(الف) جب مدینہ کے تینوں معروف قبائل نے پیمان شکنی کی تو مورخین نے اس واقعہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ ان تینوں قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ (24) میثاق مدینہ میں مسلمانوں اور ان قبائل کے درمیان کسی معاہدے کی طرف اشارہ نہیں ہے، اسی طرح ان قبائل کا میثاق مدینہ میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ علاوہ ازایں مورخین نے کسی دوسرے معاہدے کا کوئی متن بھی اپنی کتابوں میں تحریر نہیں کیا ہے، جس کی طرف ہم مورخین کی اس بات کی نسبت دیں یا اس کی کوئی توجیہہ پیش کریں۔

(ب) تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ تحریر موجود ہے کہ پیغمبر ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے نفع اور نقصان میں کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ (25) یہی بات اس قرارداد میں موجود ہے، جبکہ میثاق مدینہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہودی جنگ کی صورت میں جنگی اخراجات کی ذمہ داری لیں گے۔

(ج) اس طرح مورخین نے لکھا ہے کہ حیی ابن اخطب اور کعب ابن اسد مسلمانوں سے معاہدے کے وقت بنی نضیر اور بنی قریظہ کی طرف سے نمائندے تھے۔ (26) یہ بات بھی اس قرارداد کے متن کا حصہ ہے، جبکہ میثاق مدینہ میں طرفین مہاجرین اور انصار تھے۔

(د) بعض تاریخی کتب میں بنی قریظہ کے قتل عام کے بارے میں تحریر ہے کہ ان کی طرف سے پیمان شکنی کے بعد ان کے مردوں کو قتل کیا گیا، جبکہ عورتوں کو اسیر بنایا گیا۔ (27) یہ بات اسی انداز میں ہی اس اس پیمان نامے میں موجود ہے، جبکہ میثاق مدینہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس طرح تاریخی منابع میں بھی ان دفعات پر مشتمل کوئی دوسری قرارداد کا متن تحریری شکل میں ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے۔

(ہ) میثاق مدینہ کے انعقاد کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ تاریخ کے بنیادی مآخذ کے مطابق ہجرت کے ابتدائی ایام میں یہ منعقد ہوا ہے، دور جدید کے بعض محققین نے اس کے مواد کو دیکھتے ہوئے ہجرت کے کئی سال بعد اس کے انعقاد کو مستند قرار دیا ہے۔(28)

جبکہ یہودیوں کے تین معروف قبائل کے ساتھ ہونے والا معاہدہ ہجرت کے پہلے سال ہی ہوا تھا۔ اس کے بارے میں تاریخی منابع میں ٹھوس شواہد موجود ہیں، چونکہ قرارداد کے متن میں آیا ہے کہ یہودی پیغمبر ﷺ کے پاس آئے اور ان سے دعوت اسلام کے بارے میں سوالات کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان یہودی قبائل کی پیغمبر سے پہلی ملاقات تھی اور یہ ملاقات یقینی طور پر ہجرت کے ابتدائی ایام میں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ مخریق نے جو کہ اس معاہدے میں بنی قینقاع کی طرف سے نمائندے تھے، ہجرت کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔(29)

پس ان تاریخی شواہد سے یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا یہودیوں کے ان قبائل سے معاہدے کا متن اپنے مفاہیم کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات کی سمت کو معین کرنے میں اس کا خاص کردار ہے اس کے باوجود یہ معاہدہ زیادہ دیر تک اپنی افادیت برقرار نہ رکھ سکا چونکہ یہودیوں کو معاہدے کے دوران یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ مسلمان بہت کم وقت میں طاقت اور کثرت کے حامل ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ اس ذہن کے ساتھ مصالحت کے لئے آمادہ ہوئے تھے کہ ان کے تمام مفادات بعینہٖ محفوظ رہیں گے۔ چونکہ یہودیوں کا خیال تھا کہ حضرت محمد ﷺ محض ایک رئیس قوم بن کے رہیں گے۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ توحید کے ساتھ اس کے بنیادی تقاضوں کی برآوری کے لیے بڑی شد و مد کے ساتھ زور دے رہے جن میں سے ایک اپنی رسالت کا اقرار بھی تھا۔ یہ عمل وہ براہ راست اپنی مذہبی سیادت کے لئے خطرہ سمجھنے لگے۔

بنی قینقاع کا واقعہ

قبیلہ بنی قینقاع یہودی قبائل میں سے شجاع ترین قبیلہ تھا۔ ان کے افراد ہر وقت مسلح رہتے تھے اور خود کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ ان کا پیشہ زراعت اور زرگری تھا۔ مسلمانوں اور بنی قینقاع کے درمیان پیش آنے والا یہ واقعہ بدر اور احد کی جنگ کے درمیان رونما ہوا تھا۔ اس واقعہ کی درست تاریخ کے حوالے سے مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ واقدی نے اس کی تاریخ ہجرت کے دوسرے سال ماہ شوال بتائی ہے۔ ابن سعد، بلاذری، طبری اور مسعودی نے بھی ان کے اس قول کو ترجیح دی ہے۔(30) جبکہ ابن اسحاق نے صرف اتنا بتایا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ سویق اور فُرع کے درمیان پیش آیا تھا۔(31) اس واقع کے اسباب و علل کے حوالے سے مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں چند اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے:

(الف) جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اس وقت ان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ قرار پایا تھا کہ یہودی مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ جنگ بدر کے واقعہ کے بعد جب مسلمان واپس مدینہ لوٹے تو یہودیوں نے معاہدے کو توڑ دیا۔ حضرت محمد ﷺ بنی قینقاع کے بازار گئے اور ان کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تم لوگ جانتے ہو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اس سے پہلے کہ تمہارے ساتھ بھی کوئی بدر جیسا واقعہ پیش آئے، اسلام قبول کرو۔ بنی قینقاع نے کہا! اے محمد ﷺ تم نے اپنی قوم کے ساتھ جو کچھ بدر میں کیا، اس سے مغرور مت ہو جاو وہ جنگجو نہیں تھے۔ اگر تم ہمارے ساتھ مقابلے کرتے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم جیسا کوئی جنگجو نہیں۔(32)

(ب) بعض مورخین نے اس واقعہ کا ایک سبب یہ بتایا ہے: ایک مسلمان عورت سونا خریدنے کیلے بنی قینقاع کے بازار گئی تھی۔ بنی قینقاع کے کچھ افراد نے ان کی توہین کی تو ایک مسلمان نے غصہ میں آکر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، جس کے بعد یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بنی قینقاع کے خلاف جنگ کے لئے تیاری کی۔(33)

(ج) واقدی اور ابن سعد نے اس کی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ : جنگ بدر میں قریش مکہ کی شکست کے بعد یہودیوں نے شورش برپا کی اور معاہدے کو توڑ دیا جس کے بعد حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ مجھے بنی قینقاع سے خوف ہے اور (ان سے جنگ کرنے کے لئے) روانہ ہوگئے۔ (34)

بنی نضیر اور مسلمانوں کے درمیان جنگ

بہر حال بنی قینقاع کو مدینہ بدر کرنے کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات میں دوسرا شگاف اس وقت بڑا جب بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی جس میں وہ اگر چہ ناکام ہوئے، لیکن دونوں کے تعلقات کے لئے یہ عمل خطرناک ثابت ہوا۔ اس واقعہ کو مورخین نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے: بئر معونہ کے واقعہ میں عمرو بن امیہ کو بنی عامر نے گرفتار کیا تھا، جسے بعد میں عامر ابن طفیل نے آزاد کردیا۔ جس وقت وہ مدینہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں بنی عامر کے دو افراد سے آمنا سامنا ہوا جنہیں عمرو نے بنی عامر کے اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کی بناپر انتقاماً قتل کیا جب مدینہ پہنچے تو حضرت محمد ﷺ عمرو کے اس فعل سے ناراض ہوئے اور بنی عامر کو دیت دینے کا فیصلہ کیا جبکہ دوسری طرف عامر بن طفیل نے ایک پیغام مدینہ ارسال کیا جس میں مقتولین کی دیت کا مطالبہ کیا۔ حضرت محمد ﷺ بنی عامر کو دیت دینے کے لئے یہودیوں سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں آپ بنی نظیر کے پاس گئے۔

بنی نضیر نے حضرت محمد ﷺ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے مدد کا یقین دلایا۔ حضرت محمد ﷺ بنی نضیر کے محلے میں ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اسی اثنا میں بنی نضیر کے یہودیوں نے آپس میں میٹنگ کی اور کہنے لگے کہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کرنے کا یہ ایک بہترین موقع ہے، دوبارہ ایسا موقع ہاتھ آنے کا امکان نہیں ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ دیوار کے اوپر سے ایک پتھر حضرت محمد ﷺ پر گرا کر قتل کیا جائے۔ اس کام کے لئے عمرو بن جحاش آمادہ ہوا۔ حضرت محمد ﷺ ان کے اس کام سے آگاہ ہوئے اور انہیں بتائے بغیر فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ بنی نضیر کے محلے سے نکلتے وقت اپنے اصحاب کو بھی نہیں بتایا۔

مدینہ پہنچنے کے بعد ساری صورتحال سے انہیں آگاہ کردیا اور محمد ابن مَسلمہ انصاری کو بنی نضیر کی طرف ایک پیغام دے کر روانہ کردیا۔ محمد ابن مسلمہ نے انہیں بتایا کہ حضرت محمد ﷺ نے کہا ہے کہ تم لوگوں نے اپنا عہد توڑ دیا ہے اور چھت پر چڑھ کر مجھے قتل کرنے کی سازش کی اور تمہیں دس دن کی مہلت دی ہے۔ ان دس دنوں میں مدینہ سے نکل جائے جو بھی اس کے بعد مدینہ میں دیکھا جائے گا اس کی گردن ماری جائے گی۔ بنی نضیر مسلمانوں کی اس الٹی میٹم کے بعد مدینہ چھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اسی اثنا میں عبداللہ ابن ابی کی طرف سے دو افراد ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ عبداللہ نے تمہیں پیغام دیا ہے کہ تم مدینہ سے مت نکلو اپنے قلعوں میں رہتے ہوئے اپنے مال، اسباب کی حفاظت کرو میں دو ہزار افراد کے ساتھ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے تمہاری مدد کے لئے پہنچ جاتا ہوں اور تمہاری خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔

جبکہ بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری مدد کے لئے آمادہ ہیں۔ اس سلسلے میں عبداللہ ابن لُئی نے ایک پیغام بنی قریظہ کی طرف بھی روانہ کردیا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ کعب ابن اسد جو کہ بنی قریظہ کے سرکردہ رہنما تھے اور مسلمانوں کے بنی قریظہ کے درمیان ہونے والے معاہدے کے ضامن بھی تھے، کہنے لگے کہ میں ہرگز پیمان شکنی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بنی قریظہ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد عبداللہ بنی نضیر کے رئیس حیی ابن اخطب کے پیچھے چلے گئے تاکہ انہیں مدینہ نہ چھوڑنے پر آمادہ کرسکے۔ بالآخر حیی ابن اخطب مدینہ نہ چھوڑنے اور مسلمانوں کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے قلعوں کو مضبوط کریں گے اور مال مویشیوں کو قلعوں کے اندر لے جائیں گے اور مقابلے کے لئے پتھروں کو قلعوں کی چھتوں پر لے جائیں گے۔ (35) اس محاصرے کے دوران مسلمانوں نے یہودیوں کو دباو میں لانے کیلیے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگادی۔ مسلمانوں کی طرف سے بنی نضیر کے قلعوں کے محاصرے کے دوران کھجور کے درختوں کو مسلمانوں کی طرف سے آگ لگانے کا یہ عمل مدمقابل کے خلاف اپنائے جانے والا ایک نیا حربہ تھا۔

ابن اسحاق اور واقدی کے مطابق اس کام کے لئے خود حضرت محمد ﷺ نے حکم دیا تھا۔ (36) اگر سورہ حشر کی آیت نمبر پانچ اس موضوع کی تائید نہ کرتی تو مورخین کی بات کو قابل تردید قرار دیے جانے کا احتمال پیدا ہوجاتا چونکہ اسلام نے جنگ کے دوران درختوں کو کاٹنے سے منع کردیا ہے۔ جبکہ دوسری

طرف حضرت محمد ﷺ نے بھی ایسا کوئی عمل انجام نہیں دیا تھا۔(37) یہی وجہ تھی کہ درختوں کو آگ لگاتے وقت یہودی حضرت محمدؐ سے کہنے لگے کہ آپ فساد سے منع کرتے تھے کیوں درختوں کو آگ لگاتے ہیں۔(38) بنی نضیر کی بھرپور تیاری کی بنا پر ان کا محاصرہ طول پکڑنے لگا۔ مورخین نے محاصرے کی مدت چھ سے پچیس دن تک بتائی ہے۔(39) خلاصہ یہ کہ بنی قینقاع کے بعد بنی نضیر یہودیوں کا دوسرا قبیلہ تھا جن کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات تیرگی کا شکار ہوگئے۔ دونوں نے بقائے باہمی کے جذبے کے ساتھ تعلقات استوار کیے مگر مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے وہ نفسیاتی دباو کا شکار ہوئے اور حضرت محمد ﷺ سے کیا گیا معاہدہ توڑنے پر آمادہ ہوگئے۔

بنی قریظہ کی پیمان شکنی

بنی قریظہ یہودیوں کا تیسرا گروہ ہے، جن کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدہ کیا تھا پہلے دونوں قبیلوں کی طرح اس قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بالآخر جنگی صورتحال میں تبدیل ہو چکے تھے۔ بنی قریضہ کے حوالے سے پہلے دونوں قبیلوں کی نسبت سخت فیصلوں کی بنا پر محققین نے اس واقعہ کو خاص اہمیت دیتے ہوئے اس کی جزئیات کے بارے میں تحقیقات انجام دی ہیں۔اس واقعے کے آغاز کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ 23 ذیعقدہ بروز بدھ پانچ ہجری کو حضرت محمد ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور پندرہ دن تک ان کے محاصرے کے بعد ذی الحجہ کی سات تاریخ کو واپس ہوئے تھے۔(40)

اس واقعہ کے اسباب کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ بنی نضیر کے واقعے کے بعد حیی ابن اخطب مکہ گئے تا کہ قریش کو مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کرسکے۔ وہ قریش کے ساتھ اور بھی بہت سے قبائل کو ہمراہ لیے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کیلے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اس جنگ میں صرف قریش نہیں تھے بلکہ اور بھی قبائل تھے اس بنا پر اس جنگ کا نام مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن میں "احزاب" کی شکل میں آیا ہے۔ حیی ابن اخطب نے ابوسفیان کو یقین دلایا تھا کہ وہ بنی قریظہ کے یہودیوں کی حمایت بھی حاصل کریں گے اسی بنا پر وہ راستے میں قریش سے الگ ہو کر مدینہ گئے تا کہ بنی قریظہ کو بھی اس جنگ کیلے آمادہ کرسکے۔

مدینہ پہنچ کر اس نے غزل بن سموال اور کعب ابن اسد جیسے اہم یہودی رہنماوں کو اپنے جھوٹے وعدوں کے چکر میں پھنسا کر مسلمانوں سے قائم معاہدہ توڑنے پر آمادہ کیا۔(41) جس وقت بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ ڈالا، اس وقت مسلمان جنگ احزاب کے لئے مدینہ سے باہر تھے جب اس کی خبر محمد ﷺ تک پہنچی تو سخت دل گرفتہ ہوئے چونکہ مسلمان اس وقت ایک سخت آزمائش سے گزر رہے تھے کہ اچانک اندرونی طور پر مشکلات کا بڑھ جانا ان کے لئے ایک تشویش کی صورتحال کی نشاندہی کر رہی تھی۔ قریش نے مختلف قبائل سے مل کر مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور مدینہ کے اندر بنی قریظہ بھی قریش کی مدد کے لئے آمادہ ہو چکے تھے۔

بنی قریظہ نے صرف معاہدے کو توڑنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس حساس صورت حال میں رات کو مدینہ پر حملہ کی تیاری کر لی اس کے لیے انہوں نے قریش اور بنی غطفان سے دو ہزار فوجی مانگ لئے۔ دوسری طرف حضرت محمدؐ نے ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ملنے پر پانچ سو فوجیوں کو مدینہ کی طرف روانہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ صبح تک گھروں کی حفاظت کرتے رہیں۔ نباش بن عیسی دس یہودی جنگجووں کے ہمراہ مدینہ پر شب خون مارنے کے لئے مدینہ میں داخل ہوئے تھے مگر بقیع کے مقام پر مسلمانوں سے ان کا آمنا سامنا ہوا جس کے بعد انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔(42)

جنگ احزاب میں لشکر قریش کے عقب نشینی کے بعد مسلمانوں نے بلافاصلہ بنی قریظہ سے حساب برابر کرنے کا فیصلہ کرلیا چونکہ دوران جنگ احزاب کعب ابن اسد کے فیصلے نے مسلمانوں کو انتہائی سخت مشکل میں ڈال دیا تھا چونکہ اگر قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی تو مدینے کے اندر مسلمانوں کے لئے نہ ختم ہونے والے مسائل شروع ہو سکتے تھے۔ قریش کی عقب نشینی نے نہ صرف مسلمانوں کو داخلی طور پر عدم استحکام سے محفوظ کر دیا بلکہ مسلمانوں کے لئے بنی قریظہ کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے میدان بھی فراہم کر دیا۔

مسلمان جنگ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد بنی قریظہ کے محاصرے کے لئے روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچنے کے بعد ان کا محاصرہ کیا۔ محاصرے کے بعد پہلے لمحے میں ہی مسلمانوں اور یہودیوں میں تیراندازی شروع ہوگئی۔ یہودی بالآخر گفتگو پر آمادہ ہوگئے اور ان کا ایک نمائندہ وفد حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا اور جن شرائط کے تحت بنی نضیر تسلیم ہوگئے تھے انھی شرائط کے تحت وہ بھی قلعوں سے اتر کے مدینہ چھوڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ مگر حضرت محمد ﷺ نے ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا چونکہ حضرت محمد (ﷺ) بنی قینقاع اور بنی نضیر کے تجربے کی روشنی میں بنی قریظہ کو کسی صورت مدینہ سے امن کے ساتھ نکلنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔(43)

جب وہ مسلمانوں کی طرف سے مسلسل محاصرے سے تنگ آگئے توانہوں نے حضرت محمد ﷺ سے تقاضا کیا کہ ان کے ہم پیمان اوسی ابولبابہ بن عبدالمنذر کو ان کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ان کے ساتھ اس حوالے سے مشورہ کرسکیں۔ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیجا گیا یہودیوں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہم حضرت محمد ﷺ کے سامنے تسلیم ہوجائیں ؟اس نے جواب دیا کہ ہاں تسلیم ہوجاؤ اس نے ان کو یہ بتانے کے دوران اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا یعنی اگر تسلیم نہیں ہو جاؤگے تو تمہاری گردنیں ماری جائیں گی بالآخر بنی قریظہ محاصرے کی سختیوں سے تنگ آکر تسلیم ہونے پر آمادہ ہوگئے۔

جب بنی قریظہ قلعوں سے نیچے اتر گئے تو حضرت محمد ﷺ کے حکم کے تحت مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرلیا. اسی دوران قبیلہ اوس کا ایک شخص نے حضرت محمد ﷺ کے پاس آکر تقاضا کیا کہ یہ لوگ ہمارے ہم پیمان رہے ہیں جس طرح بنی قینقاع کو آپ نے عبداللہ بن ابی کی خاطر بخش دیا ہے، اسی طرح بنی قریظہ کو بھی ہماری خاطر بخش دیں. مگر حضرت محمد ﷺ کی طرف سے انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ جب اوسیوں کا اصرار بڑھنے لگا تو حضرت محمد ﷺ کہنے لگے کہ آپ میں سے کوئی ان کے بارے میں قضاوت کرنے کے لئے آمادہ ہے؟جب انہوں نے مثبت جواب دیا تو حضرت محمد ﷺ نے سعد ابن معاذ کو جو کہ اوسیوں کا بزرگ تھا، بنی قریظہ کے بارے میں قضاوت کے لئے معین کیا اور بعض مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سعد ابن معاذ کا انتخاب خود یہودیوں نے ہی کیا تھا۔(44)

سعد ابن معاذ جنگ خندق میں تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہونے کی وجہ سے ایک خیمہ میں زیرعلاج تھے اوسیوں نے احترام کے ساتھ سعد کو حاضر کیا اور ان سے تقاضا کیا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح اپنے ہم پیمان (بنی قریضہ) قبیلہ کے بارے میں نیکی سے پیش آو۔ سعد نے ابتدا میں بنی قریظہ سے اپنی حکمیت کے بارے میں ضمانت مانگی جب انہوں نے مثبت جواب دیا تو اس وقت وہ کہنے لگے کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کردیا جائے اور ان کے عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا جائے اور ان کے مال واسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔

اگلے دن مسلمانوں نے گڑھے کھود دیے اور بنی قریظہ کے مردوں کو ایک ایک کرکے قتل کردیا گیا۔ سعد ابن عبادہ اور حباب ابن منذر حضرت محمد ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے اوس والے اپنے ہم پیمان ہونے کی وجہ سے اس فیصلہ سے ناخوش دیکھائی دے رہے ہیں۔ سعد ابن معاذ کہنے لگا جو اس فیصلہ کو پسند نہیں کرتا ہے خدا اسے بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ اسی دوران اوس کا ایک اور بزرگ حضرت محمد ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا کہ بعض اسیروں کو اوسیوں کے حوالے کردیں تاکہ ہم بھی اس عمل میں حصہ لے سکیں۔

حضرت محمد ﷺ نے انہیں مثبت جواب دیتے ہوئے ان کے کہنے پر عمل کیا۔ مورخین کے مطابق صرف ان لوگوں کو قتل کیا گیا جو بلوغ کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ مردوں میں سے ایک کو نجات مل گئی اسی طرح عورتوں میں سے ایک کو قتل کیا گیا، جس عورت کو قتل کیا گیا تھا اس نے محاصرے کے دوران ایک پتھر مسلمانوں پر گرایا تھا جس کی وجہ سے ایک مسلمان قتل ہوا تھا اس مسلمان کے قصاص میں اسے قتل کیا گیا۔(45)

داستان بنی قریظہ کاایک جامع جائزہ

بنی قریظہ کے قتل کی داستان ہم نے مسلمان سیرت نگاروں اور مورخین میں سے ابن اسحاق اور واقدی سے نقل کی ہے۔ ان کے بعد جتنے مورخین آئے ہیں انہوں نے بھی بغیر کسی کم وکاست کے اس داستان کو اسی انداز میں نقل کیا ہے۔ معاصر محققین میں سے بعض نے بنی قریظہ کے تمام مردوں کے قتل کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جب کہ کچھ اور محققین نے، جن کا جھکاؤ تاریخ اسلام کے ابتدائی منابع کی طرف ہے، بنی قریظہ کے مردوں کے قتل عام کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے صحیح ہونے کے بارے میں مختلف دلائل پیش کیے ہیں۔ جن محققین نے اس موضوع کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ :

الف) یہ عمل سیرت پیغمبر ﷺ کے خلاف ہے، پیغمبر نے اپنی زندگی میں بہت سے ایسے لوگوں کو معاف کر دیا ہے جو اسلام سے دشمنی میں معروف تھے بنابر این بنی قریظہ کے سیکڑوں مردوں کا قتل عام اور ان کی عورتوں کو اسیر بنانا ان کی سیرت سے میل نہیں کھاتا ہے۔

ج) بعض مورخین کا کہنا ہے کہ قتل کئے گئے افراد علی اور زبیر کے ہاتھوں سے قتل ہوئے ہیں . چھ سو سے نو سو کی تعداد ایک یا آدھے دن میں دو افراد کے ہاتھوں قتل ہونا بعید نظر آتا ہے . اس کے علاوہ اتنی بڑی تعداد کو قتل کرنے میں جو نفسیاتی اور اعصابی اثرات انسان پر مرتب ہونے کا امکان ہے ان کو دیکھتے ہوئے ان دو کے ہاتھوں اتنی بڑی تعداد کا قتل ہونا بعید نظر آتا ہے اس کے علاوہ قرآن کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو سورہ احزاب کی آیت ۲۶ میں بنی قریظہ کے مردوں کے انجام کے بارے میں یوں ذکر ہوا ہے۔ " فریق تقتلون وتأسرون فریقاً" یعنی ایک گروہ کو قتل کیا اور ایک گروہ کو اسیر کیا۔ قرآن کی یہ تعبیر بتا رہی ہے کہ مردوں میں سے ایک گروہ کو قتل کیا اور دوسرے گروہ کو اسیر کیا۔

اس آیت سے یہ معنی نہیں نکلتا ہے کہ بنی قریظہ میں سے مردوں کے گروہ کو قتل کیا عورتوں کے گروہ کو اسیر کیا گیا۔ چونکہ اس آیت کا ابتدائی حصہ بنی قریظہ کے جنگجوؤں کے حوالے سے ہے۔ للذا اس آیت میں دونوں صورتوں میں فریقاً سے مراد بنی قریظہ کے جنگجو مرد مراد ہیں اس کے علاوہ اس واقعہ کے بارے میں جو تاریخی شواہد ہیں ان میں ہمیں ہم آہنگی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ کبھی کہاجاتا ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس کے اطراف میں ان کی گردنیں ماری گئی، کبھی کہاجاتا ہے کہ انہیں مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا، اس طرح کچھ روایات میں کہاجاتا ہے کہ صرف جنگجو مردوں کو قتل کیا گیا کچھ اور روایات میں کہاجاتا ہے کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کیا گیا اور پھر ہزار اسیروں کو بنی قریظہ کے علاقے سے مدینہ منتقل کرنا اور انہیں ایک دو افراد کے گھروں میں قید کرنا اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے ناممکنات میں سے دیکھائی دے رہا ہے۔

یہاں تک کہ آج کے دور میں اتنی بڑی تعداد کو ایک جگہ میں قید کرنا بہت ساری مشکلات کا سبب بنتا ہے۔ ان کے لئے کھانے کا اہتمام، فرار کرنے سے روکنا، رات کی تاریک میں ان کی حفاظت کا مسئلہ، ان کے لئے قضائے حاجت کے لئے مناسب جگہ کی بندوبست یہ سب ایسے مسائل ہیں جن سے نمٹنا آسانی سے ممکن نہیں جبکہ تاریخی منابع میں ان جزئیات کے حوالے سے کوئی بحث نہیں کی گئ ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں موجود ہے کہو "*وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ*" (اسراء/بنی اسرائیل۔۱۵) اس آیت کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ بنی قریظہ کے واقعہ میں صرف ان کے بزرگوں میں سے چند فیصد لوگوں نے دشمنی دکھائی ہے ان چند کی غلطی کی سزا باقی افراد کو دینا اسلام کے احکام کے خلاف ہے۔(46) اس طرح جن محققین نے سعد کے فیصلے اور یہودیوں کے قتل عام کو درست تسلیم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ :

- حضرت محمد ﷺ کی بنی قریظہ کے خلاف سخت ردِ عمل دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ بنی قریظہ انتہائی سخت حالات میں معاہدے کو توڑ کر مدینہ میں شب خون مارنے کی تیاری کر رہے تھے، اگر خدا کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو مسلمان ان حالات سے بچ نہ پاتے، بنابر ایں ان حالات میں خیانت کرنے والوں کی سزا موت کے علاوہ کچھ نہیں۔

- پیغمبر اکرم ﷺ نے بنی قینقاع اور بنی نظیر کی پیمان شکنی کے حوالے سے چشم پوشی کے کام لیتے ہوئے صرف انہیں مدینہ بدر کیا کوئی جسمانی سزا نہیں دی، جس کے نتیجے میں انہوں نے مدینہ سے نکلنے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ ختم ہونے والی سازشیں شروع کیں۔ دشمنان اسلام کو اکٹھا کرکے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ چھیڑ دی۔ ان عظیم تجربات کو دیکھتے ہوئے ایک مدبر اور حکیم لیڈر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دوبارہ ان تجربات کو مت دہرائے جن سے پہلے وہ گزر چکا ہے۔ اس بناء پر مسلمانوں نے انہیں قتل کیا اگر وہ انہیں قتل نہیں کرتے تو وہ اس دفعہ مسلمانوں کا خاتمہ کر سکتے تھے۔
- سعد بن معاذ کا فیصلہ اس معاہدے کے عین مطابق تھا جو بنی قریظہ کے یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ سے کیا تھا۔ انہوں نے یہ ضمانت دی تھی کہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اگر کوئی ایسا قدم انہوں نے اٹھایا تو انہیں قتل کیا جائے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا جائے گا اور ان کے مال واسباب کو اپنے تصرف میں لایا جائے گا۔ (47)

جنگ بنی قریظہ میں مقتولین کی تعداد کا ایک جائزہ

اس واقعہ کا ایک اہم پہلو یہودی مقتولین کی تعداد ہے، چونکہ بنی قریظہ کے واقعہ میں مقتولین کی تعداد کا زیادہ نقل ہونے کی وجہ سے مورخین مقتولین کی اصل تعداد کے بارے میں شک وتردد کا شکار ہیں۔ اسی لیے ابھی تک اس واقعہ کی صحیح تعداد کے بارے میں یقینی صورت حال سامنے نہیں آئی ہے۔ نتیجتاً اس واقعہ کے اور بھی گوشے شک وتردد کے شکار ہوئے۔ اسی بناپر اس موضوع کو دقیق انداز میں لینے کی ضرورت ہے۔ بعض مورخین کا اس حوالے سے کہنا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے انہیں بنی نجار کی ایک عورت کے گھر قید کر دیا تھا۔ اس کے بعد مدینہ کے بازار میں گڑھے کھود کے ان کو قتل کرنے کا آغاز کر دیا۔ اس وقت ان کی تعداد چھ سو سے سات سو تک تھی، ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد آٹھ سو سے نو سو کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ (48)

اسی طرح ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ: ”جس وقت رسول خدا ﷺ کو بنی قریظہ کے خلاف کامیابی ملی تو ان میں سے چار سو مردوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے قتل کا حکم جاری کیا۔ خزرجیوں نے اس کام کو بہ خوشی شروع کر دیا جبکہ اوسی حضرات ان کے ہم پیمان ہونے کی وجہ سے اس کام سے خوش نہ تھے جب بنی قریظہ کے مردوں کی تعداد بارہ رہ گئی تو ان باقی ماندہ افراد کو اویسوں کے حوالے کر دیا گیا ان میں سے ہر یہودی قبیلہ اوس کے دو افراد کے ہاتھوں قتل ہوا۔“ (49) ترمذی نے مقتولین کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ (50)

بیہقی نے موسیٰ ابن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ ”کہا جاتا ہے کہ بنی قریظہ کے مقتول جنگجوؤں کی تعداد چھ سو تھی اور ان کے خون احجارالزیت تک پہنچا تھا۔ (51) یعقوبی اور شیخ مفید نے مقتولین کی تعداد بالترتیب سات سو پچاس اور نو سو بتائی ہے۔ (52)

ابو عبید نے اپنی کتاب "الاموال" میں زہری سے روایت کرتے ہوئے صرف اتنا کہا ہے کہ اس دن لوگوں کی ایک تعداد ماری گئی۔ (53) ابن ابی الحدید معتزلی نے سب سے زیادہ ایک ہزار افراد کی تعداد بتائی ہے۔ (54) اس کے علاوہ اور بھی مورخین ہیں، جنہوں نے ابن اسحاق سے نقل کرتے ہوئے چھ سو سے نو سو کے درمیان مقتولین کی تعداد بتائی ہے۔ (55)

بنابرایں جو اقوال بنی قریظہ کے مقتولین کی تعداد کے بارے نقل ہوئے ان میں سے سات سو پچاس درمیانی عدد ہے، چونکہ بالاترین عدد ایک ہزار نقل ہوا ہے، جبکہ کم ترین عدد چار سو ہے۔ اس واقعہ کے حوالے سے جتنے شکوک اور شبہات سامنے آئے ہیں، اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کی بنیادی وجہ مقتولین کی تعداد کے حوالے سے مورخین کے درمیان اختلافات ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مقتولین کی جو مختلف تعداد نقل ہوئی ہے ان میں بھی بعض دفعہ اختلافات سامنے آئے ہیں، بعض نے صرف بنی قریظہ کے جنگجوؤں کو مقتولین میں سے قرار دیا ہے، جبکہ کچھ اور نے بنی قریظہ کے تمام مردوں کو مقتولین میں شامل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر محققین کے لئے صحیح تعداد کو سامنے لانا ایک مشکل کام بن گیا ہے۔

اگر ہم کلی طور پر مورخین کے عمل کو دیکھیں تو صرف بنی قریظہ کے معاملے میں ہی یہ مسئلہ درپیش نہیں ہے بلکہ جب مورخین تاریخی رویداد کو نقل کرتے ہیں یا جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں تو ان کے درمیان اختلاف نظر نمایاں رہتا ہے۔ بہت کم دیکھا گیا ہے کہ مورخین کے درمیان کسی واقعہ کے حوالے سے متفاوت اقوال نقل نہ ہوئے ہوں۔ بطور نمونہ کچھ تاریخی حوادث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن سے واضح ہوگا کہ مورخین میں اختلاف کے علاوہ کچھ مبالغہ آمیز باتیں بھی ہمیشہ جاری رہی ہیں۔ طبری نے حضرت موسیٰؑ کے دور میں طاعون کی وبا میں مارے جانے والوں کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے۔ (56) وہ بھی کئی گھنٹوں کے اندر جبکہ اسی کتاب میں ہی کمترین عدد بیس ہزار بھی نقل ہوئی ہے۔ جنگ جمل میں مارے جانے والے افراد کی تعداد تاریخ میں اس طرح آئی ہے چھ سو، سات سو، ہزار، بارہ سو، تیرہ سو۔ (57)

نصر ابن مزاحم نے جنگ صفین کے حوالے سے اپنی قدیم ترین اور معتبر ترین کتاب میں مقتولین کی تعداد ۴۵ ہزار شامی اور ۲۵ ہزار عراقی مجموعی طور پر ۷۰ ہزار بتائی ہے۔ جبکہ اس کتاب میں کسی اور جگہ صرف لیلۃ الحریر کے دن اور رات کو مقتولین کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے۔ (58) بنابرایں ان کے بعد جتنے مورخین نے اس حوالے سے لکھا ہے انہوں نے یہی ستر ہزار کی تعداد بتائی ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں مبالغہ آرائی اور تناقضات بھی کثرت کے ساتھ موجود ہیں جو بھی ان منابع سے سروکار رکھتا ہے اس کے لیے بعض دفعہ اصل حقیقت تک پہنچنا یا کم از کم حقیقت کے نزدیک ہونا ناممکن رہتا ہے۔ اس حوالے سے مسلمان مورخ اور جامعہ شناس ابن خلدون کی بات قابل توجہ لگتی ہے۔ وہ اپنے مقدمہ میں مورخین کی مبالغہ آرائی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”و کثیراً ما وقع للمورخین والمفسرین ۔۔۔ ولا بد من ردھا الی الاصول و عرضھا علی القواعد۔“ (59)

یعنی ”چنانچہ مورخین، مفسرین اور ائمہ نقل کو حکایات و واقعات میں بہت غلطیاں محض اس لئے پیش آئیں کہ انہوں نے صرف نقل پر قناعت کر لی اور واقعات کو ان کے اصول و معیار پر کس کر نہیں دیکھا اور اشتباہ نظائر پر قیاس نہیں کیا۔ انہیں حکمت و فلسفہ کی کسوٹی پر کسا اور نہ کائنات کے طبقوں پر پرکھا اور نہ ان پر نظر بصیرت کو پہنچ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح راہ کھو بیٹھے اور اوہام و اغلاط کے میدان میں سرگرداں بھٹکتے ہوئے رہ گئے خصوصاً اموال و افواج کی تعداد میں تو بے شمار غلطیوں کا شکار ہوئے۔“

اس کے بعد وہ آگے لکھتے ہیں:

”وقد نجد الکافۃ من اھل العصر اذا افاضوا فی الحدیث عن عساکر الدول التی لعھدھم او قریباً منہ و تفاوضوا فی الاخبار عن جیوش المسلمین أو النصاری احصاءِ اموال الجبایات و خراج السلطان و نفقات المترفین و بضائع الاغنیاءِ الموسرین توغلوا فی العدد“ (60)

”ہم اپنے زمانے کے اکثر عوام کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ اپنے زمانے یا قریبی زمانہ کی حکومت کے لشکروں کی تعداد بیان کرتے ہیں یا مسلمانوں کی عیاشیوں کی فوجوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں یا ٹیکس و خراج کے مال گنواتے ہیں یا مالداروں کے خرچے اور دولت مندوں کے سامان بتانے لگتے ہیں تو تعداد میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور مروجہ حدوں سے آگے پھلانگ جاتے ہیں۔“

تاریخ میں ہمیشہ سے تعداد اور ارقام کے نقل کرنے میں مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا جاتا رہا ہے اس کے پیچھے مختلف قسم کے اہداف کارفرما رہے ہیں۔ مسعودی جنگ جمل کے مقتولین کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بعض نے ان کی تعداد کم کرکے سات ہزار بتائی ہے جبکہ کچھ اور نے ان کی مقدار بڑھاتے ہوئے دس ہزار بتائی ہے۔ بنی قریظہ کے مقتولین کے بارے میں اب تک جتنے اقوال نقل ہوئے ہیں ان کی روشنی میں اور تاریخ کے اندر پائے جانے والے تناقضات اور مبالغہ آرائی کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ کے مقتولین کی اصل تعداد معلوم کرنا بہت مشکل دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باوجود کچھ تاریخی قرائن کی روشنی میں مقتولین کی تعداد کے بارے میں کچھ احتمالات بیان کئے جاسکتے ہیں:

(الف) تاریخی منابع میں بنی قریظہ کے مقتولین کی جو تعداد بیان ہوئی ہے وہ امکانی طور پر بنی قریظہ کے ان افراد کی ہے جو قلعوں سے نیچے آئے تھے پھر ان میں سے مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا گیا۔ تاریخ ابتدائی منابع میں یوں بیان ہوا ہے کہ جب وہ قلعوں سے نیچے آئے تو سعد نے ان کے بارے میں فیصلہ دے دیا۔ اس احتمال کی رو سے مقتولین کی تعداد امکانی طور پر ایک سو بیس سے ایک سو پچاس تک بیان کی جاسکتی ہے چونکہ نقل شدہ اقوال میں سے درمیانی تعداد سات سو پچاس تھی اگر ہم ہر گھر میں پانچ یا چھ افراد فرض کرلیں تو بالغ افراد کی تعداد کے بارے میں امکانی طور پر ۱۲۰ سے ۱۵۰ تک اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(ب) واقدی نے بنی قریظہ کے اسیر بچوں اور عورتوں کی تعداد ہزار بتائی ہے۔(61) ان کی اس تعداد کو دیکھتے ہوئے امکانی طور پر یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ بنی قریظہ کی آبادی بارہ سو افراد پر مشتمل تھی چونکہ اگر بچوں اور عورتوں کی کل تعداد ہزار تھی تو امکانی طور پر ان میں ۱۵۰ سے ۲۰۰ کے قریب بالغ افراد ہونگے اور یہی بالغ افراد کو امکانی طور پر مقتولین میں سے قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ بنی قریظہ کے واقعہ میں بالغ مردوں کو قتل کیا گیا ہے۔

ان احتمالات اور مفروضوں کی تائید کچھ تاریخی قرائن اس طرح تاریخی منابع میں آئے ہیں کہ جنگ خندق اور بنی قریظہ میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے۔(62) یعقوبی نے ان کی تعداد سات سو بتائی ہے۔(63) بعض محققین نے کچھ شواہد کی بنا پر یعقوبی کی نظر کو درست قرار دیا ہے۔(64) اگر ہم مسلمانوں کی تعداد بنی قریظہ کے واقعہ میں سات سو قرار دیں تو یہ بات ممکن نہیں کہ بنی قریظہ کی تعداد بھی مسلمانوں کے برابر ہو۔ اگر مسلمانوں کی تعداد تین ہزار بھی فرض کرلیں تو پھر بھی کوئی مقایسہ نہیں بنتا ہے چونکہ بنی قریظہ یہودیوں کے متعدد قبیلوں میں سے ایک تھا۔ مقتولین کی تعداد کا مسلمانوں کی تعداد کے برابر ہونا ایک ناممکن بات ہے۔ ابن ابی الحدید متعزلی نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں: مدینہ میں یہودیوں کے تینوں قبیلوں کے افراد کی تعداد بہت کم تھی۔(65)

یہ بات بھی اس حوالے سے قابل توجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بنی قینقاع کی تعداد اتنی کم تھی کہ مدینہ سے کوچ کرنے کے بعد بہت جلد ان کی نسل کا خاتمہ ہوا اور تاریخ میں کہیں بھی ان کے مدینہ بدر ہونے کے بعد تذکرہ نہیں۔ بنابراین بنی قریظہ کی تعداد بغیر کسی دلیل کے چار اور پانچ ہزار قرار دینا مبالغہ آرائی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس زمانے میں مدینہ کی پوری آبادی کے بارے میں پندرہ ہزار کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہودیوں کے متعدد قبیلوں میں سے صرف ایک قبیلے کی تعداد اتنی حد تک پہنچ چکی ہو۔ بنابریں کہا جاسکتا ہے کہ مورخین کے نقل کردہ مقتولین کی تعداد اگرچہ مقتولین بنی قریظہ کی صحیح تعداد معلوم کرنا ایک مشکل کام ہے مگر امکانی طور پر ایک سو بیس سے دو سو تک مقتولین کی تعداد بیان کی جاسکتی ہے۔

چونکہ مورخین یہ بھی اپنی تاریخی منابع میں لکھتے ہیں کہ بنی قریظہ کے مردوں کو گرفتار کرکے مدینہ کی ایک عورت کے گھر قید کیا گیا، اس وقت کے اجتماعی حالات کو دیکھتے ہوئے کیا یہ امکان ہے کہ بنا بر نقل مورخین چھ سو سے نو سو افراد کو ایک گھر میں قید کیا جائے۔ بنابریں یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عورت کے گھر اتنی بڑی تعداد کو قید کرنے کی بات غلط ہے یا چھ سو سے نو سو کی تعداد کے نقل میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ ان مختلف قرائن، شواہد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنی قریظہ کے مقتولین کی تعداد نقل کردہ تعداد سے کہیں کم تھیں اور ہم نے جو احتمالات بیان کئے ان کی روشنی میں ان کی تائید میں موجود بعض تاریخی شواہد کی روشنی میں امکانی طور پر ایک سو بیس سے ایک سو پچاس کے قریب بنی قریظہ کے مقتولین کی تعداد بیان کی جاسکتی ہے۔

بنی قریظہ کے واقعہ میں یہودیوں کے بالغ افراد کا قتل ہونا بہر حال ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ جھٹلایا جاسکتا ہے۔ جو چیز یقینی شکل و صورت کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں آتی ہے وہ مقتولین کی اصل تعداد ہے چونکہ تمام قدیم اور متاخر مورخین کے درمیان ایک رائے نہیں ہے۔ بنابریں مدینہ کی اجتماعی صورت حال اور تاریخی منابع میں موجود بعض قرائن کی بنا پر یہ بات امکانی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ مورخین نے اپنی سابقہ روش کو برقرار رکھتے ہوئے اس واقعہ میں بھی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اس لئے مقتولین کی اصل تعداد کو امکانی صورت میں ہی بیان کیا جاسکتا ہے یقینی صورت میں بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ سید ابولااعلیٰ مودودی، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۲۵، لاہور

2۔ الاغانی، ابوالفراج علی بن الحسین الاصفھانی، داراحیاالتراث العربی، ۱۹۹۴م، ص: ۳۴۳، بیروت

3۔ عبدالرحمٰن سھیلی، الروض الانف، تحقیق وکیل، داراحیاالتراث العربی، ۱۴۱۲ھ، ص: ۲۹۰، بیروت

4۔ حسین توفیقی، آشنائی باادیان بزرگ، سمت، ۱۳۷۹ش، ص: ۱۵۲، تہران

5۔ احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۵اق، ص: ۲۹، بیروت

6۔ محمد بن یعقوب الکلینی، الروضۃ من الکافی، تصحیح الغفاری، کانون العربی، ۱۴۱۲اق، ص: ۳۵۹، تہران

7۔ سورہ بقرہ، آیہ ۱۲۶، سورہ انعام ۲۰، سورہ اعراف ۱۵۷

8۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، محولہ بالا، ص۲۲۸

9۔ الاغانی ج۲۲ ص ۳۴۴۔

10۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ محولہ بالا، ص: ۲۲۸

11۔ الاغانی، کتاب غزوہ بنی قریظہ، مطبوعہ دارالحیاۃ، س ن، ج۱۹، ص۱۹۱، بیروت

12۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، محولہ بالا، ص: ۲۲۹

13۔ ایضاً، ص: ۲۷۸

14۔ عبدالملک بن ہشام المعافری، السیرۃالنبویہ، دارلمعرفۃ، س ن، ج۲، ص: ۲۱۵، بیروت

15۔ احمد بن ابی یعقوب الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی تحقیق مھنا، موسسۃالاعلمی للمطبوعات، ۱۴۱۳ھ، ج۱، ص۳۱۰، بیروت

16۔ احمد بن یحییٰ بلاذری، الانساب الاشراف، تحقیق سھیل زکار، دارالفکر، ۱۴۱۷اق، ، ج۱، ۳۴۰، بیروت

17۔ برہان زریق، الصحیفۃمیثاق الرسول، دارالنمیر۔۱۹۹۶م، ص۵۴۵، دمشق

18۔ الاغانی، ص۲۹۷

19۔ محمد بن احمد الذہبی، تاریخ الاسلام (المغازی)، تحقیق تدمیری، دارالکتاب العربی، ۱۴۱۰اق، ، ج۱، ص۴۵۴، بیروت

20۔ شھلا بختیاری، پیامبر و یہود مدینہ، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۶۳ش، ص۱۲۴، تہران

◙ الاموال، ص۲۹۷

21۔ جعفر مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، دارالسیرۃ، ۱۹۹۵م، ج۴، ص۲۵۵، بیروت

22۔ محمد حسنین ھیکل، حیاۃ محمد، مطبعہ السنہ المحمدیہ، ۱۹۶۸م، ص۲۲۷، قاھرہ

23۔ فضل بن حسن طبرسی، اعلام الوریٰ باعلام الھدی، تحقیق ونشر موسسہ آل البیت لاحیاالتراث، ۱۴۱۷اق، ص۱۵۷، قم

◙ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، داراحیاالتراث العربی، ۱۴۰۳اق، ص۱۱۰، بیروت

24۔ المغازی، ج۱ص ۴۵۴ ۔ فتوح البلدان، ص۳۰۔ تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۱۷۳۔ طبری، ج۲، ص۱۷۲۔

25۔ المغازی، ج۱، ص ۴۵۴۔ معالم التنزیل ج۴ ص ۳۱۳۔

26۔ سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص۱۹۱ ۔ انساب الاشراف، ج۱، ص ۳۷۳۔ طبری، ج۲، ص ۲۲۵

27۔ تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۱۷۳

28۔ محمد والیہود، ص۸۳

29۔ المغازی، ج۱، ص: ۳۶۳

30۔ محمد بن سعد زھری، الطبقات الکبری، تحقیق عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۸ق، ج۲، ص۲۱، بیروت

◙ محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۹ق، ج۲، ص۱۷۳، بیروت

31۔ سیرہ ابن ہشام، محولہ بالا، ج۲، ص47

32۔ المغازی، ج۱، ص۱۷۶۔ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۴۷

33۔ سیرہ ابن ہشام ج۲ ص: ۴۸

34۔ الطبقات الکبری، ج۲، ص۲۰۲۔ انساب الاشراف، ج۱، ص۱۷۳

35۔ سیرہ ابن ہشام، ج۲ ص۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۱ ۔ المغازی، ج۱، ص۳۶۴، ۳۶۵

36۔ المغازی، ج۱، ص۱۷۳۔ الارشاد، ج، ص۹۲

37۔ الکافی ج۵، محولہ بالا، ص۲۹

38۔ سیرہ ابن ہشام، ج۲، ص۱۹۱۔ المغازی، ج۱، ص۳۷۳

39۔ محمد بن یوسف صالحیی شامی، سبل الھدی والرشاد، تحقیق عبدالموجود، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ق، ج۴، ص: ۱۸۱، بیروت

40۔ طبقات الکبریٰ، ج۲، ص۵۷۔ التنبیہ والاشراف، ص۲۱۷۔ المغازی، ج۱، ص۴۹۶

41۔ ابن ہشام، ج۲، ص۲۲۲، ۲۲۱۔ المغازی، ج۱، ص۴۵۴ تا ۴۵۶.

42۔ المغازی، ج۱، ص۴۶۰ تا ۴۶۳

43۔ سیرۃ ابن ہشام، ص: ۵۰۹، ۴۹۹

44۔ ایضاً، ص: ۲۴۰

45۔ عبدالرزاق بن ھمام صنعانی، المصنف، تحقیق اعظمی، منشورات المجلس العلمی، ۱۳۹۲ق، ج۵، ص: ۱۷۳، بیروت

46۔ سید جعفر شھیدی، تاریخ تحلیلی اسلام، مرکز نشر دانشگاہی، ۱۳۷۸، ص۸۸، تہران

◙ علی اکبر حسنی، تاریخ تحلیلی وسیاسی اسلام، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۷۳، ص۲۱۱، ۲۲۵، تہران

◙ غلام حسین زرگری نژاد، تاریخ صدر اسلام۔ سمت، ۱۳۷۸، ص۴۶۱، تہران

47۔ محمد جواد مغنیہ، اسرائیلیات القرآن، دارالجواد، ۱۴۰۴ق، ص۲۶، بیروت

◙ جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، نشر دانش اسلامی، ۱۳۶۳، ج۲، ص۱۵۵، قم

48۔ ابن ہشام، ج۲، ص۲۴۱

49۔ ایضاً، ص: ۵۹

50۔ محمد بن عیسی ترمذی، الجامع الکبیر، تحقیق عواد معروف، دارالغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ق، ج۳، ص۲۳۹، بیروت

51۔ احمد بن حسین بیہقی، دلائل النبوۃ، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۵م، ج۴، ص۲۰، بیروت

52۔ محمد بن محمد بن النعمان الشیخ المفید، الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، تحقیق و نشر موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، ۱۴۱۶ق، ج۱، ص۱۱۱، بیروت

53۔ الاموال، ص ۱۶۳

54۔ علی بن احمد الاندلسی (ابن حزم)، جوامع السیرۃ النبویہ، دار ابن کثیر، ۱۴۰۶ق، ص۳۲۸، بیروت

55۔ علی بن ابراہیم القمی، تفسیر القمی، مکتبۃ الھدی، ۱۳۸۷ق، ج۲، ص: ۱۹۰، نجف

56۔ طبری، ج۱، ص۳۰۹

57۔ محمد بن نعمان المفید، الجمل، تحقیق میر شریفی، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۳۷۴، ص۴۱۹، قم

58۔ نصر بن مزاحم المنقری، وقعۃ صفین، تحقیق عبد السلام محمد ھارون، الموسسۃ العربیہ، ۱۳۸۲ق، ص ۴۷۴، ۵۵۸، القاہرہ

59۔ تاریخ ابن خلدون، ج۱، ص ۱۳

60۔ ایضاً، ص: ۱۵

61۔ المغازی، ج۱، ص ۵۲۳

62۔ ابن ہشام، ج۲، ص ۲۲۔ طبقات الکبریٰ، ج۲، ص۵۱، ۵۷

63۔ تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۳۶۹

64۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، س ن، ج۹، ص: ۱۸۱، بیروت

65۔ ابو حامد ھبۃ اللہ ابن ابی الحدید المدائنی، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، دار احیا التراث العربی، ۱۳۸۵ق، ج۱۳، ص ۱۷۲، بیروت